19

مسئلہ کشمیر کے متعلق پاکستانی عوام کی بے چینی اور حکومت کا فرض

بے شک حکومت جتھوں کو جنگ بندی کی سرحد عبور کرنے سے روک سکتی ہے لیکن اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ عوام کو بتائے کہ اُس کے پاس اِس مسئلہ کو حل کرنے کا کیا ذریعہ ہے

(فرمودہ 27 جون 1958ء بمقام مری)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ -1

اس کے بعد فرمایا:

"قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک منظّم جماعت کے طور پر رہا کریں اور جب کوئی اچھا کام کرے تو ساری جماعت کو چاہیے کہ وہ اُس کے ساتھ مل کر اُس کام کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اور اگر کوئی شخص ظلم سے کام لے یا فساد کرے تو کبھی اُس کے ساتھ شامل نہ ہوں خواہ وہ مومن ہوں یا غیر مومن کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم اور فساد پسند نہیں کرتا۔

آج ہی یہاں کے مبلغ نے ایک ٹریکٹ چھپوایا ہے جو عیسائیوں کے ایک ٹریکٹ کے جواب

میں لکھا گیا ہے۔ یہ ٹریکٹ اصل میں لاہور کے عیسائیوں نے لکھا تھا جسے یہاں کے پادریوں نے مری میں تقسیم کیا۔ یہ ٹریکٹ نہایت گندے اور جھوٹے اعتراضات سے پُر تھا اور اس میں کہا گیا تھا کہ قرآن کریم تو تورات اور انجیل کی تائید کرتا ہے لیکن مسلمان کہتے ہیں کہ تورات اور انجیل دونوں محرّف و مبدّل ہیں حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مسلمان ایسا نہیں کہتے بلکہ صرف احمدی اس بات کا دعوٰی کرتے ہیں ورنہ مسلمانوں کی کتابیں تو اس بات سے بھری پڑی ہیں کہ تورات اور انجیل غیر محرّف ہیں۔ یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی جیسے بڑے آدمی نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی معنوی تحریف تو ثابت ہے لیکن لفظی تحریف ثابت نہیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں عیسائیت کے خلاف مسلمانوں کی تحقیق ابھی مکمل نہیں تھی اور انگریزی اور عبرانی لٹریچر ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا اس لیے انہوں نے لکھ دیا کہ قرآن کریم میں جو يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ [2] آتا ہے اس سے یہ مُراد نہیں کہ وہ لفظی تحریف کرتے تھے بلکہ اس جگہ تحریف سے معنوی تحریف مُراد ہے۔ پس عام مسلمان تورات اور انجیل کو محرّف و مبدّل نہیں کہتے بلکہ صرف ہماری جماعت یہ دعوٰی کرتی ہے کہ عہد نامہ قدیم اور جدید دونوں محرّف و مبدل ہیں۔ اس زمانہ میں جب انگریزی اور عبرانی لٹریچر شائع ہوا اور احمدیہ جماعت نے اس کا مطالعہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے تورات اور انجیل میں بڑی بھاری تحریف کی ہے بلکہ بڑے بڑے محقّق عیسائیوں اور مشہور پادریوں نے اپنی کتابوں میں خود تسلیم کیا ہے کہ بائبل یقینی طور پر محرّف و مبدّل ہے اور اس میں کئی قسم کی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ پھر اپنے طور پر بھی جب جماعت احمدیہ نے تحقیق کی تو اسے اس تحریف کے کئی ثبوت مل گئے بلکہ جب عیسائیوں پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انجیل کے بعض حوالہ جات کے رو سے اعتراضات کیے تو عیسائیوں نے ان آیتوں کو ہی انجیل میں سے اُڑا دیا یا اُن میں ایسی تبدیلی کر دی کہ جس کی وجہ سے ان پر اعتراض نہ ہو سکے۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں پر ایک اعتراض یہ کیا کہ انجیل سے ثابت ہے کہ یروشلم میں ایک تالاب تھا جس کا پانی خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ آسمان سے اُتر کر ہلا دیا کرتا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو کوئی بیمار اُس حوض کے پانی سے غُسل کر لیتا تھا وہ اچھا ہو جاتا تھا۔ آپ نے لکھا کہ معلوم ہوتا ہے حضرت مسیحؑ جو بیماروں کو اچھا کیا کرتے تھے تو وہ اسی تالاب کے پانی کا اثر تھا۔ آپ پانی لے کر بیماروں پر چھڑک دیتے ہوں

گے اور لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم مسیحؑ کے معجزہ سے شفایاب ہوئے ہیں۔ جب عیسائیوں پر یہ اعتراض ہوا تو انہوں نے بعد کے ایڈیشنوں سے اس عبارت کو ہی نکال دیا۔ چنانچہ ہمارے پاس وہ انجیلیں بھی موجود ہیں جن میں یہ عبارت درج ہے اور وہ انجیلیں بھی موجود ہیں جن میں سے یہ عبارت نکال دی گئی ہے۔ اب اگر انجیل ان کے نزدیک خدا کی کتاب تھی تو وہ اس واقعہ کو کیوں نکالتے۔ اور جب یہ واقعہ نکل گیا تو ثابت ہو گیا کہ انجیل محرّف و مبدّل ہو چکی ہے۔

غرض عیسائیوں کے اس ٹریکٹ کا ہمارے مبلغ نے جواب شائع کیا ہے۔ یہاں کی جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ اس ٹریکٹ کی تقسیم میں حصہ لیں اور تمام لوگوں تک اسے پہنچائیں۔ اگر پندرہ بیس خدام مل کر یہ کام کریں تو نہایت آسانی سے ہر آدمی تک یہ ٹریکٹ پہنچایا جا سکتا ہے۔ لیکن عیسائیوں کو چونکہ امریکہ سے روپیہ ملتا ہے اور ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں اس لیے جس شخص کو بھی یہ ٹریکٹ دیں اُس سے یہ وعدہ لے لیں کہ وہ آگے آٹھ دس آدمیوں کو یہ ٹریکٹ ضرور پڑھائے گا تاکہ یہ سارے شہر میں پھیل جائے اور عیسائیوں کی پھیلائی ہوئی غلط بیانیوں کا ازالہ ہو جائے۔

دوسری چیز جس کی طرف میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آجکل ہمارا ملک ایک بڑی مصیبت میں سے گزر رہا ہے اور ملکی سیاسیات اور حالات میں ایسی الجھنیں پیدا ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے لوگوں میں بڑی بے چینی پائی جاتی ہے۔ مثلاً کشمیر کے لیڈروں میں سے چودھری غلام عباس صاحب نے اعلان کیا ہے کہ ہمارے جتھے جائیں گے اور جنگ بندی کی سرحد کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں گے۔ اب جہاں تک اِس امر کا تعلق ہے کہ پاکستان سے جتھے جائیں اور جنگ بندی کی لائن کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں اِس مصیبت کو دیکھ کر حکومت ان جتھوں کو روکنے اور لیڈروں کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مگر پھر بھی آج کے اخبار میں لکھا تھا کہ لوگوں میں بڑا جوش پایا جاتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس حد کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں۔ ہماری حکومت کے ذمہ دار افراد کو یہ مصیبت اس لیے پیش آئی ہے کہ وہ انگریزوں اور امریکنوں سے ڈرتے ہیں اور پھر ابھی تک وہ جنگ کے لیے پوری طرح تیار بھی نہیں۔ پاکستانی فوج کے سپاہی تو بڑے بہادر اور دلیر ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ ابھی تک ان کے پاس سامانِ جنگ کافی نہیں ہے اور نہ اس سامان کو تیار کرنے والے کارخانے ابھی خاطر خواہ تعداد میں ہیں۔ اگر جتھے جنگ بندی

کی سرحد کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں تو ہندوستان کی فوجیں لازماً اسے پاکستان کے اندر داخل ہونے کا بہانہ بنالیں گی اور وہ لوگ شور مچا دیں گے کہ ہم تو محض دفاع کے لیے اندر آئے ہیں۔ یہ کہہ دینا کہ یہ جتھے نہتّے ہوں گے اور مقابلہ نہیں کریں گے ایک بے حقیقت بات ہے۔ اگر نہتّے آدمی بغیر پاسپورٹ لیے امریکہ یا انگلستان میں داخل ہوں تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ انہیں اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گے؟ اگر پاسپورٹ کے بغیر ان کے ملک میں کوئی شخص داخل ہو تو وہ فوراً اسے گرفتار کر لیں گے۔ اگر اکیلا آدمی ہوگا تو پولیس اسے پکڑ لے گی اور اگر دو چار سو یا ہزار دو ہزار آدمی ہوں گے تو فوج ان پر گولی چلا دے گی اور کوئی غیر جانبدار یہ نہیں کہے گا کہ حکومت نے اپنے قانونی اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ ہر شخص کہے گا کہ یہ اس کے مستحق تھے کیونکہ انہوں نے خود قانون توڑا ہے۔ پس اگر ہمارے آدمی سرحد کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں تو خواہ وہ بالکل نہتّے ہوں اور خواہ وہ کسی کا مقابلہ نہ کریں پھر بھی غیر قوموں کی ہمدردی ہندوستان کے ساتھ ہوگی اور پاکستان ایسا چھوٹا اور کمزور ملک ہے کہ وہ غیر قوموں کی آواز کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ روس ایسا کر رہا ہے، امریکہ ایسا کر رہا ہے مگر وہ بڑی بھاری طاقتیں ہیں جو غیر قوموں کے اعتراضات کی کوئی پروا نہیں کرتیں۔ پھر روس کے اردگرد چھوٹے چھوٹے ملک ہیں مگر پاکستان جس ملک کا ہمسایہ ہے اور جس کے ساتھ لڑائی کرنے سے وہ بچنا چاہتا ہے وہ اس سے پانچ سات گُنا بڑا ہے۔ پاکستان کی کُل آبادی آٹھ کروڑ ہے اور ہندوستان کی آبادی چالیس کروڑ ہے۔ گویا وہ پاکستان سے پانچ گُنا زیادہ ہے۔ پھر سامان بھی ابھی تک ہندوستان کے پاس زیادہ ہے۔ اگر صرف تعداد کی کمی بیشی کا سوال ہو لیکن سامان ایک جیسا ہو تب بھی ایمان اور یقین کی طاقت ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے بڑی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صحابہؓ کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جس نوعیت کے سامان صحابہؓ کے پاس تھے ویسے ہی کُفّارِ مکہ کے پاس تھے اور ویسے ہی رومیوں اور ایرانیوں کے پاس تھے۔ یہ نہیں تھا کہ ایک طرف تیر ہو تو دوسری طرف بندوق ہو یا ایک طرف تلوار ہو تو دوسری طرف مارٹر ہو۔ اگر تلوار تھی تو دونوں طرف تلوار تھی، اگر نیزے تھے تو دونوں طرف نیزے تھے، اگر گھوڑے تھے تو دونوں طرف گھوڑے تھے، اگر اونٹ تھے تو دونوں طرف اونٹ تھے۔ مسلمان صرف تعداد میں کم تھے مگر چونکہ ان کے اندر ایمانِ راسخ پایا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ ایک مومن دس کُفّار کا مقابلہ

کرسکتا ہے۔3 اگر پاکستان کے رہنے والوں میں بھی وہی ایمان ہوتا جو صحابہؓ میں پایا جاتا تھا اور اگر ان کے دشمن کے پاس بھی ویسے ہی سامان ہوتے جیسے ان کے پاس ہیں تو آٹھ کروڑ آدمی اسّی کروڑ کا مقابلہ کرسکتا تھا بلکہ روم کی لڑائیوں میں تو ایک ایک آدمی نے ہزار ہزار کا بھی مقابلہ کیا ہے۔ اِس حساب سے تو آٹھ کروڑ آدمی اسّی ارب کا بھی مقابلہ کرسکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں وہ ایمان کہاں ہے۔ اگر صحابہؓ جیسا ایمان ہوتا تو عید کے دن بھی ریڈیو پر کنچنیوں کے گانے کیوں سنائے جاتے۔ میں نے پچھلی عید پر کوئی مفید پروگرام سننے کے لیے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ریڈیو سارا دن گانے نشر کرے گا۔ جن لوگوں کے دلوں سے دین کی عظمت اِس قدر اُٹھ گئی ہو کہ وہ دن جو خدا تعالیٰ کے ذکر کے لیے مخصوص ہے اُس میں بھی وہ اپنا کام یہی سمجھیں کہ کنچنیوں کا گانا سنیں اور دوسروں کو سنوائیں، اُن سے کسی اَور نیکی کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔ اور جب لوگوں کی ایمانی حالت اِس حد تک کمزور ہو چکی ہو تو ہمیں اُن نتائج کی کہاں اُمید ہوسکتی ہے جو صحابہؓ نے حاصل کیے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں ایک غلطی پاکستان کی بھی ہے۔ شیخ عبداللہ کئی سال سے قید میں ہیں اور شیخ عبداللہ ایک انسان ہیں فرشتہ نہیں کہ اُس پر کبھی موت نہیں آسکتی۔ اِس لیے کُلّیۃً شیخ عبداللہ پر انحصار کرنا دانشمندانہ سیاست نہیں سمجھا جاسکتا۔ شیخ عبداللہ نے 1931ء میں میرے ساتھ مل کر کام شروع کیا تھا اور اُس وقت وہ بالکل نوخیز نوجوان تھے اور پھر انہوں نے ایسی تکالیف میں اپنی زندگی گزاری ہے کہ جن کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ خطرناک قیدوں میں ڈالے گئے، انہیں مارا پیٹا گیا اور انہیں فاقوں سے رکھا گیا۔ ایسے آدمی کی بھلا کتنی عمر ہوسکتی ہے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ گاندھی جی نے بھی اپنی عمر کا بیشتر حصہ جیلوں میں گزارہ ہے مگر انگریزوں میں شرافت اور انسانیت تھی اور وہ کوئی سختی نہیں کرتے تھے مگر شیخ عبداللہ کے متعلق تو خود ہندوؤں نے اعلان کیا ہے کہ ان پر بڑی سختی کی جاتی ہے اور ایسے ایسے ظلم کیے جاتے ہیں جو ناقابلِ برداشت ہیں۔ مردولا سارابائی نے اس کے متعلق اعلان کیا۔ پھر بزّاز 4 نے اعلان کیا کہ ان پر بڑی سختی کی جاتی ہے، انہیں مارا پیٹا جاتا ہے، انہیں فاقے دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے بیٹے نے کہا ہے کہ ان کو ایسی جیل میں رکھا گیا ہے جس میں سانپ اور بچھو بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے نہ انہیں نیند آتی ہے اور نہ انہیں کسی اَور طرح کا آرام ہوتا ہے۔ لیکن گاندھی جی کی تو انگریز بڑی خاطریں کیا کرتے تھے اور ان کے آرام کا ہر وقت خیال رکھتے تھے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ آپ تو بڑے مزے کے لیڈر ہیں کہ سیکنڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں۔ گاندھی جی کو دیکھیے کہ وہ تھرڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں۔ میں نے کہا وہ چالیس کروڑ آدمیوں کے لیڈر ہیں اور جب وہ تھرڈ کلاس کے ڈبّہ میں سفر کرنے کے لیے داخل ہوتے ہیں تو سب لوگ اُن کے احترام میں کمرہ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ تھرڈ کلاس کا کمرہ سیکنڈ کلاس کے کمرہ سے تین گنا بڑا ہوتا ہے۔ لوگ اُن کا بستر کمرہ میں بچھا دیتے ہیں اور وہ آرام سے اپنے بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔ تم بھی میرے لیے کسی ایسے ہی تھرڈ کلاس کمرہ کا انتظام کرا دو تو میں بھی اُس میں سفر کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر میرے لیے یہ انتظام نہیں ہوسکتا کیونکہ میں چالیس کروڑ کا لیڈر نہیں بلکہ صرف چار پانچ لاکھ کا ہوں۔ چنانچہ پارٹیشن سے پہلے جب میں گاندھی جی سے ملا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ آپ ہندو مسلمانوں میں سمجھوتا کرائیں کیونکہ آپ لیڈر ہیں۔ میں نے کہا یہ تو ٹھیک ہے کہ میں لیڈر ہوں مگر سوال یہ ہے کہ میں کتنے آدمیوں کا لیڈر ہوں۔ صرف چار پانچ لاکھ آدمی ایسا ہے جو مجھے اپنا لیڈر تسلیم کرتا ہے۔ لیکن آپ کا احترام تو چالیس کروڑ باشندے کرتے ہیں۔ پس آپ کی بات کا جو اثر ہوسکتا ہے وہ میری بات کا نہیں ہوسکتا۔ اگر پچاس لاکھ کا بھی میں لیڈر ہوتا تب بھی آپ کا اسّی گنا زیادہ اثر ہوتا۔ مگر اب تو آپ کا آٹھ سو گنا زیادہ اثر ہے۔ اس لیے ہندو مسلم سمجھوتا کے لیے جو آپ کی کوششوں کا اثر ہوسکتا ہے وہ میری کوشش کا نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آخر وہ مان گئے کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ تو گاندھی جی کا ان باتوں میں مقابلہ کرنا درست نہیں۔ وہ اگر بیمار ہوتے تو وائسرائے کا پرائیویٹ سیکرٹری جو گورنر کے برابر ہوتا تھا وائسرائے کی طرف سے پھل اور تحفے ان کے پاس لے جاتا تھا لیکن ہمیں سوائے پتھروں کے اَور کیا ملتا ہے۔

مسلمانوں میں سے صرف مولانا محمد علی صاحب جوہر ایسے تھے جنہیں انگریزی حکومت عزّت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور ان کا بڑا احترام کرتی تھی۔ چنانچہ جب وہ کانگرس سے علیحدہ ہوئے اور بیمار ہوکر ہسپتال میں داخل ہوئے تو روزانہ ہسپتال میں وائسرائے کی طرف سے انہیں تحفہ کے طور پر پھل اور پھول جاتے تھے مگر باقی لوگ کال کوٹھڑیوں میں بند رکھے جاتے ہیں۔ خود پنڈت نہرو کی بہن کے متعلق ایک کتاب میں مَیں نے پڑھا کہ جب اُن کو جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کرنے کے لیے لے گئے تو ساٹھ ستّر عورتیں اُن کے ساتھ اَور بھی تھیں۔ ان سب نے افسروں کا مقابلہ کیا اور ان سے جنگ کی اور آخر جیل خانہ کے افسروں نے انہیں کال کوٹھڑیوں میں سے نکال لیا۔ یہ جرأت آخر انہیں اِسی

لیے ہوئی کہ وہ جانتی تھیں کہ چالیس کروڑ آدمی ہماری پُشت پر ہے ورنہ اکیلے آدمی میں مقابلہ کی جرأت ہی کہاں ہوتی ہے اور اگر وہ مقابلہ کرے تو کس اُمید پر کرے؟

پس گاندھی جی اور پنڈت نہرو کے پیچھے چالیس کروڑ آدمی ہوتا تھا۔ اگر انگریز ہندوستان سے بھاگا ہے تو کچھ تو اپنی شرافت کی وجہ سے بھاگا ہے اور کچھ اِس وجہ سے بھاگا ہے کہ چالیس کروڑ آدمی اُس سے عدمِ تعاون کر رہا تھا۔ شروع میں جب گاندھی جی ہندوستان میں نئے نئے آئے اور رولٹ ایکٹ پر شور اُٹھا تو گاندھی جی نے اعلان کیا تھا کہ اگر سارا ملک میرا ساتھ دے تو میں سال بھر میں ہندوستان سے انگریزوں کو نکال سکتا ہوں۔

میں 1924ء میں جب انگلینڈ گیا تو رستہ میں اٹلی میں مسولینی 5 سے بھی ملا۔ وہ اُس وقت ڈکٹیٹر نہیں تھا صرف وزیرِاعظم تھا۔ مسولینی نے مجھ سے دورانِ گفتگو میں پوچھا کہ گاندھی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ سینٹ (SAINT) ہے یا پالیٹیشن (Politician) ہے؟ میں نے کہا مجھے تو اُن سے اختلاف ہے اور میں اس کے متعلق تفصیلاً اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہوں لیکن اِس وقت میں اُن کی صرف ایک بات بتا دیتا ہوں۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ اگر سارا ہندوستان میرے ساتھ مل جائے تو میں ایک سال میں انگریز کو ہندوستان سے نکال سکتا ہوں۔ حالانکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چالیس کروڑ آدمی ایک سال کے اندر اندر کسی نئے لیڈر کے ساتھ نہیں مل سکتا۔ اس کے لیے بہرحال ایک لمبی جدوجہد کی ضرورت تھی۔ پس اگر تو یہ بات انہوں نے محض اس لیے کہی کہ لوگوں میں ایک بیداری پیدا ہو جائے ورنہ وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے تب تو ان کو پالیٹیشن کہنا پڑے گا سینٹ نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر وہ سمجھتے تھے کہ سارا ہندوستان ایک سال میں میرے ساتھ مل جائے گا تو پھر وہ ایک کم عقل سینٹ تھے پالیٹیشن نہیں تھے۔ مسولینی نے یہ بات سن کر میری تصدیق کی اور کہا کہ میں بات سمجھ گیا ہوں۔

اس کے بعد میں انگلینڈ گیا تو ٹائمز کا ایڈیٹر مجھ سے ملا۔ اب بھی میں بیماری کے سلسلہ میں یورپ گیا تو وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ اُس وقت وہ اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے مگر اب وہ ایڈیٹر بن چکے ہیں۔ سر فرینک ڈگلس اُن کا نام ہے۔ انہوں نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا کہ گاندھی جی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے انہیں بھی مسولینی والا قصہ سنایا۔ وہ سن کر کہنے لگے میں سمجھ گیا وہ ہرگز سینٹ نہیں وہ ایک چالباز پالیٹیشن ہیں۔ اگر وہ یقین رکھتے تھے کہ ایک سال کے اندر اندر سارا ہندوستان

میرے ساتھ مل سکتا ہے تو وہ ایک کم عقل سینٹ ہیں اور اگر وہ سمجھتے تھے کہ میں لوگوں کو اِس ترکیب سے بیدار کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو وہ ایک چالباز پالیٹیشن ہیں۔ میں نے کہا اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں آپ نے خود ہی ان کے متعلق ایک فیصلہ کرلیا ہے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ انگریز کا معاملہ بالکل اَور رنگ کا تھا اور انڈیا کا معاملہ بالکل اَور ہے۔ پس ان دونوں کا آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے جو کہا تھا کہ اس معاملہ میں گورنمنٹ پاکستان کی بھی غلطی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشک یہ اُس کا حق ہے کہ وہ جتھوں کو روکے لیکن اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کو تسلّی دلانے کے لیے بتائے کہ کشمیر کے معاملہ کو ایک معقول عرصہ میں حل کرنے کا اُس کے پاس کیا ذریعہ ہے تا کہ لوگوں کو تسلّی ہو جائے اور وہ جوش میں دیوانگی کی کوئی حرکت نہ کریں۔ شیخ عبداللہ کئی سال سے قید ہیں اور سارا پاکستان کشمیر کی آزادی کے لیے شور مچا رہا ہے مگر گورنمنٹ اِس معاملہ میں عملاً خاموش ہے۔ وہ کہتی تو رہتی ہے کہ ہم کشمیر کو آزاد کرائیں گے لیکن بتاتی نہیں کہ اس کے پاس کونسی ترکیب ہے۔ صرف یہ کہتی ہے کہ ہم یو۔این۔او میں فیصلہ کرائیں گے حالانکہ سارا پاکستان جانتا ہے کہ یو۔این۔او کے بڑے ممبر یعنی امریکہ اور انگلینڈ اور روس بھارت کے ساتھ ہیں پاکستان کے ساتھ نہیں اور وہ جتنا ہو گا اِس معاملہ کو لٹکانے کی کوشش کریں گے۔ پس پاکستانی گورنمنٹ کو کوئی نہ کوئی معقول مؤقّف اختیار کرنا چاہیے خالی پکڑنا نہیں چاہیے۔ اِس سے لوگوں کا جوش نہیں دَبے گا بلکہ وہ اَور زیادہ دیوانے ہوتے چلے جائیں گے"۔

(الفضل 9 جولائی 1958ء)

1: المائدۃ: 3

2: النساء: 47

3: اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (الانفال: 66)

4: **بزاز:** پنڈت پریم ناتھ بزاز۔ کشمیر کے راہنما اور اخبار نویس۔

5: **مسولینی:** (مسولینی بنیٹو-Mussoilni Benito) 1883ء تا 1945ء اطالوی آمر۔ یہ ایک لوہار کا بیٹا تھا۔ سوشلسٹ کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1919ء میں اپنی جماعت بنائی اکتوبر 1922ء میں وزیر اعظم بنا جنگ عظیم دوم میں جرمن کی طرف سے شامل ہوا۔ اتحادیوں نے سسلی پر قبضہ کر لیا جس کے نتیجہ میں اس کی ساکھ ختم ہو گئی۔ 1943ء میں مستعفی ہونے پر مجبور ہوا۔ بعد میں اس نے شمالی اٹلی میں متوازی حکومت بنالی اپریل 1945ء میں اس کو گرفتار کر کے گولی ماردی گئی۔ اس کی لاش کو میلان میں لے جا کر سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔